پاکستان کے جمہوری سیاسی نظام کا اسلامی نقطہ نگاہ سے ایک جائزہ

ڈاکٹر سید باچا آغا۔۔۔اسسٹنٹ پروفیسر، گورنمنٹ ڈگری کالج، کوئٹہ
نذیر احمد کاسی ۔۔۔لیکچرر، پاکستان سٹڈی سینٹر جامعہ بلوچستان، کوئٹہ
حافظ رحمت نیازی۔۔۔لیکچرر گورنمنٹ انٹر کالج، بروری کوئٹہ

ABSTRACT

Democracy means, Government of people, by the people and for the people while every individual can participate in the affairs of Government too but islamic democracy means Governemnt of God, by the representativs of God and for the creatures of God. It is an underiable fact that the enemies of Islam they adopt such ideas which are totally against the principles of of Islam like communism, socialism, secularism, etc., people use these ideas as religion and decmocracy is also one of them. The islamic Republic of Pakistan came into existence in the name of Islam but yet to mplement some basic principles of the religion inthe system of this country. Today we are facing so many problems like terrorism, corruption, target killing, sectarianism, suicide attacks, bomb blasts and other so many problems, this research article is based on the facts and tried to find out the causes of these problems and mentioned the differences between democracy and Islamic law ans also highlight the poisitive benefits of Islamic democracy. the primay and seocndary sources have been used for this research article.

جمہوریت

لفظ جمہوریت یونانی زبان کے دو الفاظ Demos اور Krates سے عبارت ہے، جن کے معنی علی الترتیب لوگ اور حکومت ہیں۔ اس کے مختلف تعریفات کئے گئے ہیں۔ پروفیسر سیلے کے نزدیک:

''جمہوری حکومت ایسی حکومت کو کہا جاتا ہے جس میں ہر شخص کو
حکومتی معاملات میں شرکت حاصل ہو''۔(۱)

لارڈ برائس کے خیال میں جمہوری حکومت وہ ہے کہ:

''جس میں حکومت کرنے کا حق قانونی طور پر کسی مخصوص طبقہ
یا طبقات کو حاصل نہیں ہوتا بلکہ یہ حق تمام افراد معاشرہ کو اجتماعی طور
پر حاصل ہوتا ہے''۔(۲)

واضح رہے کہ برائس نے جمہوریت کو محض ایک سیاسی تصور کی حیثیت سے پیش کیا ہے لیکن جدید رجحانات کے اعتبار سے جمہوریت کو ایک مکمل ضابطہ تصور کیا جاتا ہے۔

صدر لنکن نے جمہوریت کی تعریف ان الفاظ میں کی ہے کہ:

''جمہوریت عوام کے ذریعے عوامی مفادات کے لئے عوام ہی کی
حکومت کو کہتے ہیں''۔ (۳)

مفتی محمد تقی عثمانی لکھتے ہیں کہ:

جمہوریت کا لفظ درحقیقت ایک انگریزی لفظ ''Democracy''
کا ترجمہ ہے، اور انگریزی میں بھی یہ لفظ یونانی زبان سے آیا ہے اور
یونانی زبان میں ''Demo'' عوام کو کہتے ہیں۔ ''Cracy''
یونانی زبان میں حاکمیت کو کہتے ہیں، اسی لئے عربی میں جب اس کا
ترجمہ کیا گیا تو اسے ''دیمقراطیہ'' کہا گیا۔(۴)

بہر حال آسان لفظوں میں جمہوریت سے مراد ہے عوام کی حکومت۔ جمہوری نظام ایک ایسے نظام سیاست کو کہتے ہیں جس کے تحت لوگ بالواسطہ یا بلاواسطہ سیاسی معاملات میں شرکت کر سکیں۔ نظریاتی اعتبار سے ایک جمہوری ریاست میں کسی مخصوص طبقہ کو سیاسی معاملات پر اجارہ داری حاصل نہیں ہوتی بلکہ تمام شہریوں کو مساوی سیاسی حقوق حاصل ہوتے ہیں۔ یا بالفاظ دیگر جمہوریت کا بنیادی تصور یہ ہے کہ حاکمیت کا حق عوام کو حاصل ہے، لہذا جمہوریت کے معنی ہوئے ایسا نظام حکومت جس میں عوام کو، یا عوام کی رائے کو کسی نہ کسی شکل میں حکومت کی پالیسیاں طے کرنے کے لئے بنیاد بنایا گیا ہو۔ ویسے جمہوریت کی جامع و مانع تعریف میں بھی خود ارباب سیاست کا اتنا اختلاف ہے کہ ایک کی تعریف دوسرے سے نہیں ملتی ہے، لیکن بحیثیت مجموعی جو مفہوم ہے وہ یہی ہے کہ اس سے ایسا نظام حکومت مراد ہے جس میں عوام کی رائے کو کسی نہ کسی شکل میں حکومت کی پالیسیاں طے کرنے کی بنیاد بنایا گیا ہو۔ جمہوریت اور مذہب کا آپس میں کوئی بندھن نہیں بنتا جس طرح ابو معاذ القرنی نے لکھا ہے کہ:

یہ بات تسلیم شدہ ہے کہ ادیان کفر میں سے ہر ایک ایسے نظام و منہج پر

مشتمل ہوتا ہے جو کہ سراسر اسلام کے خلاف اور اس کی ضد ہے۔اس میں کمیونزم ،سوشل ازم، سیکولرازم اور مشنریز وغیرہ جیسے جتنے نئے نظام واصول سب شامل ہیں۔لوگ ان کو اپنے پراگندہ خیالات سے تشکیل دیتے ہیں اور پھر بطور دین انہیں اختیار کر لیتے ہیں۔''دین جمہوریت'' بھی اس میں شامل ہے کیونکہ یہ بھی اللہ کے دین کے سوا ایک دین ہے۔اس نئے دین میں جس کے فتنے میں اکثر لوگ بلکہ اکثر مسلمان مبتلا ہیں ۔اس گمراہی واضح کرنے کے لئے یہ بات پیش خدمت ہے کہ''جمہوریت'' ملت توحید سے الگ ایک مستقل دین اور صراط مستقیم سے الگ ایک مستقل راستہ ہے، جس کے دروازے پر شیطان بیٹھا جو کہ جہنم کی طرف داعی ہے۔لہذا یہ ضروی ہے کہ اہل ایمان اس سے اجتناب کریں اور اس سے اجتناب کی دعوت دیں مؤمنوں کی یاددہانی، غافلوں کی بیداری ،ضدی سرکشوں پر اقامت حجت اور رب العالمین کے ہاں عذر خواہی کے لئے۔(۵) کیونکہ اللہ رب العالمین کا ارشاد ہے:

وَ مَنۡ یَّبۡتَغِ غَیۡرَ الۡاِسۡلَامِ دِیۡنًا فَلَنۡ یُّقۡبَلَ مِنۡہُ وَ ھُوَ فِی الۡاٰخِرَۃِ مِنَ الۡخٰسِرِیۡنَ (٦)

ترجمہ: اور جو اسلام کے سوا کوئی اور دین چاہے گا وہ اس سے کبھی قبول نہ کیا جائے گا اور وہ آخرت میں نقصان اٹھانے والوں میں ہوگا۔

سیاست کے حوالے سے جمہوریت کا نفاذ شاید کہیں بھی کامل نہیں ہے۔اسلامی معاشرے سے اس کا فرق یہ ہے کہ اسلام میں وحی کو بالادستی حاصل ہے جبکہ جمہوریت میں عوام کی مرضی کو بالادستی حاصل ہے خواہ وہ کسی مذہب سے متصادم ہی کیوں نہ ہو۔اس نظریہ کو اسلام کسی طرح سے بھی قبول نہیں کرسکتا لیکن عملی طور پر جمہوریت کے اثرات دیکھ کر مسلمان اسے اختیار کرنے پر مجبور ہیں، خاص طور پر سیاسی قیادت کی فراہمی کے لئے انتخابی جمہوریت ایک سیدھا اور آسان طریقہ نظر آتا ہے۔دور حاضر میں مسلمان، جن میں علماء بھی شامل ہیں، کی توانائی اس ضمن میں خرچ ہورہی ہے کہ کس طرح سے جمہوری عمل اور اسلام کے مابین راہ کو ہموار کیا جائے۔بعض نے جمہوریت کو عین اسلام قرار دیا اور خلافت راشدہ کو اس سے تعبیر کیا لیکن یہ اس کے لغوی معنوں میں تو ہوسکتا ہے اصطلاح میں نہیں ایک طبقہ

اسے سرے سے کفر قرار دیتا ہے اور ہر طرح کے انتخابی عمل کا رد کرتا ہے، لیکن وہ اس کا کوئی عملی متبادل حل بھی ابھی تک پیش نہیں کر سکا۔ جس طرح کہ ابو معاذ القرنی لکھتا ہے کہ:

> عصرِ حاضر میں بڑے بڑے فتنوں میں سے ایک ''جمہوریت'' کا فتنہ ہے اور لوگوں کی اکثریت اس فتنے میں مبتلا ہے اور کیفیت یہ ہے کہ وہ اس جمہوریت کا دفاع کرنے اور اس کی طرف دعوت دینے میں مشغول ہیں۔ یہ حق کو باطل کے ساتھ خلط ملط کر کے کبھی اس کو اسلامی نظام شوریٰ کی جدید شکل قرار دیتے ہیں اور اس کے نظام انتخاب کو مشاورت کا نام دیتے ہیں تو کبھی خلفائے راشدین کے طریقۂ انتخاب کو توڑ مروڑ کر جمہوریت کے حق میں دلیل بنانے کی کوشش کرتے ہیں۔ اسی طرح دورِ نبوی ﷺ اور دورِ خلفائے راشدینؓ کے دور میں ہونے والے فیصلوں کے بارے میں یہ ثابت کرتے ہیں کہ یہ کثرتِ رائے کی بنیاد پر ہوتے تھے اور کبھی اس جمہوریت کو اختیار کرنے کے لئے مصلحتوں اور ضروریات کو دلیل بنایا جاتا ہے لیکن یہ فعل درحقیقت حق و باطل، نور و ضلالت اور توحید و شرک کو خلط ملط کرنے کے مترادف ہے۔ جمہوریت اللہ کے دین کے مقابل ایک مستقل دین ہے اور توحید کے خلاف ایک ملت ہے اور اسی طرح جمہوریت کی پارلیمانی اور اسپیکر کی نشستیں صریح شرک اور بت پرستی ہے، جن سے اجتناب کرنا توحید کی سالمیت کے لئے ضروری ہے جو کہ بندوں پر اللہ کا حق ہے۔ اس نظام کی بیخ کنی کرنا اور اسکے متعلقین سے بغض و عداوت رکھنا اور ان کے خلاف جہاد کرنا واجب ہے اور یہ کہ یہ جمہوریت کوئی ''اجتہادی مسئلہ'' بھی نہیں جیسا کہ بعض اس شیطانی دجل و فریب کا شکار ہیں۔ بلکہ یہ وہ واضح اور قدیمی شرک و کفر ہے جس سے اللہ نے اپنی محکم تنزیل میں ڈرایا ہے اور نبی ﷺ طویل عرصہ اس کے خلاف برسرِ پیکار رہے ہیں۔ لہٰذا نبی ﷺ کی اسی سنت کو تھامتے ہوئے اُن کے متبع اور مددگار بننے کی کوشش کریں جو

شرک ومشرکین اور ان کے نظام زندگی سے کوئی واسطہ نہیں رکھتے تھے اور حق واہل حق کی اجنبیت کے اس دور میں اس گروہ میں شامل ہوجائیں جو دین اللہ کے قیام کے لئے رسول کریم ﷺ کے دیئے ہوئے طریقے کے مطابق سرگرم عمل ہے(۷)۔جس کے متعلق نبی مصطفیٰ ﷺ نے فرمایا:

لا تزال طائفة من امتی یقاتلون علی الحق ظاهرین علی من ناواهم حتی یقاتل اخرهم المسیح الدجال(۸)

ترجمہ: مسلسل میری امت میں سے ایک جماعت لڑتی رہے گی حق پر، غالب رہے گی اپنے مخالفین پر یہاں تک کہ وہ آخر میں مسیح دجال سے قتال کرے گی۔

بہرحال جمہوریت سے متعلق اس شدید سوچ کے برعکس اہل علم کا ایک گروہ جمہوریت کے قابل عمل راہ کے متلاشی ہیں، وہ جمہوریت سے نقائص کو صاف کر کے اس کے قابل عمل راہ ڈھونڈتے ہیں جیسے کہ ابوالاعلیٰ مودودی فرماتے ہیں کہ:

جمہوریت کے اصول کو عمل میں لانے کی جو بے شمار شکلیں مختلف زمانوں میں اختیار کی گئی ہے یا تجویز کی گئی ہیں ان کی تفصیلات سے قطع نظر کر کے اگر انہیں صرف اس لحاظ سے جانچا اور پرکھا جائے کہ جمہوریت کے اصول اور مقصد کو پورا کرنے میں وہ کہاں تک کامیاب ہوتی ہے تو کوتاہی کے بنیادی اسباب صرف تین ہی پائے جاتے ہیں۔

''اول یہ کہ جمہور کو مختار مطلق اور حاکم مطلق (Sovereign) فرض کر لیا گیا اور اس بناء پر جمہوریت کو مطلق العنان بنانے کی کوشش کی گئی۔حالانکہ جب بجائے خود انسان ہی اس کائنات میں مختار مطلق نہیں ہے تو انسانوں پر مشتمل ہی کوئی جمہور کیسے حاکمیت کا اہل ہوسکتا ہے۔اسی بناء پر مطلق العنان جمہوریت قائم کرنے کی کوشش آخر کار جس چیز پر ختم ہوتی رہی ہے وہ جمہور پر چند آدمیوں کی عملی حاکمیت ہے۔اسلام پہلی ہی قدم پر اس کا صحیح علاج کر دیتا ہے وہ جمہوریت کو ایک ایسے بنیادی قانون کا پابند بناتا ہے جو کائنات کے اصل حاکم (Sovereign) نے مقرر کیا ہے اس

قانون کی پابندی جمہور اور اس کے سربراہ کاروں کو لازماً کرنی پڑتی ہے اور اس بناء پر وہ مطلق العنانی سرے سے پیدا ہی نہیں ہونے پاتی جو بالاخر جمہوریت کی ناکامی کا اصل سبب بنتی ہے۔

دوئم یہ کہ کوئی جمہوریت اس وقت تک نہیں چل سکتی جب تک عوام میں اس کا بوجھ سہارنے کے لائق شعور اور مناسب اخلاق نہ ہوں۔ اسلام اسی لئے عام مسلمانوں کی فرداً فرداً تعلیم اور اخلاقی تربیت پر زور دیتا ہے اس کا مطالبہ یہ ہے کہ ایک ایک فرد مسلمان میں ایمان اور احساس ذمہ داری اور اسلام کے بنیادی احکام کا اور ان کی پابندی کا ارادہ پیدا ہو۔ یہ چیز جتنی کم ہوگی جمہوریت کی کامیابی کے امکانات کم ہونگے اور یہ جتنی زیادہ ہوگی امکانات اتنے ہی زیادہ ہونگے۔

سوئم یہ کہ جمہوریت کی کامیابی کے ساتھ چلنے کا انحصار ایک بیدار ،مضبوط رائے عام پر ہے اور اس طرح کی رائے عامہ اس وقت پیدا ہوتی ہے جب معاشرہ اچھے افراد پر مشتمل ہو ان افراد کو صالح بنیادوں پر ایک اجتماعی نظام میں منسلک کیا گیا ہو اور اس اجتماعی نظام میں اتنی طاقت موجود ہو کہ برائی اور برے اس میں نہ پھل پھول سکے اور نیکی اور نیک لوگ ہی اس میں ابھر سکے اسلام نے اس کے لئے بھی ہم کو تمام ضروری ہدایات دے دی ہیں''۔(۹)

اگر مندرجہ بالا تینوں اسباب فراہم ہو جائیں تو جمہوریت پر عمل درآمد کی مشینری خواہ کسی طرح بنائی جائے وہ کامیابی کے ساتھ چل سکتی ہے اور اس مشینری میں کسی جگہ کوئی قباحت ہو تو اس کی اصلاح کر کے بہتر مشینری بھی بنائی جاسکتی ہے۔اس کے بعد اصلاح وارتقاء کے لئے صرف اتنی بات کافی ہے کہ جمہوریت کو تجربہ کا موقع ملے تجربات سے بتدریج ایک ناقص مشینری بہتر اور کامل تر بنتی چلی جائے گی۔

سیاسی نظام

ڈیوڈ ایسٹن نے سیاسی نظام کی تعریف ان الفاظ میں کی ہے کہ:

The System of interaction in any

society through which hinding or

authoritative allocations are made.(10)

''کسی معاشرہ میں باہمی ربط کا ایسا نظام جس کے ذریعے بااختیار ذرائع سے معاملات طے کئے جاتے ہیں''۔

اس تعریف کی رو سے ایک سیاسی نظام کا تعلق محض حکومتی اداروں سے ہی نہیں ہوتا بلکہ سیاسی فیصلہ سازی سے متعلق تمام معاملات اور سرگرمیاں اس کے دائرہ کار میں آتی ہیں۔ ایک معاشرہ کے اندر ایسے تمام شعبے اور سرگرمیاں جن کا بالواسطہ یا بلاواسطہ حکومت ومملکت سے تعلق ہو ایک سیاسی نظام کے دائرہ کار میں آتی ہیں۔ درحقیقت مختلف سیاسی پہلوؤں کا تجزیہ جس وسیع ڈھانچہ کو مدنظر رکھ کر کیا جائے اسے سیاسی نظام کہتے ہیں۔ ہر سیاسی نظام کسی سماجی ڈھانچے کا حصہ ہوتا ہے، لہذا اس کی حقیقی نوعیت کو متعلقہ سماجی ڈھانچے کے حوالے سے ہی سمجھا جا سکتا ہے۔ ایک سیاسی نظام معاشرہ کے مقاصد کی تکمیل کا سب سے مؤثر ذریعہ ہے۔ سیاسی نظام ہی کے اندر پبلک پالیسی کی تشکیل کے ذریعے بنیادی فیصلے کئے جاتے ہیں۔ اس قسم کے بیشتر اساسی نوعیت کے فیصلے معاشرتی ڈھانچہ پر گہرے اثرات مرتب کرتے ہیں۔ ایک نظام کی حسن کارکردگی اور دارومدار اس بات پر ہے کہ وہ اپنے Input اور Output فرائض کی بجا آوری میں کس حد تک کامیاب ہے، یعنی سیاسی فیصلوں کی صورت میں وہ کس حد تک عوامی مطالبات اور پبلک پالیسی میں ہم آہنگی برقرار رکھ سکتا ہے، اس سلسلے میں ایک سیاسی نظام کی اعلیٰ حسن کارکردگی اس کے استحکام کی ضمانت کا پیش خیمہ بنتی ہے۔

لفظ سیاست کے مروجہ معنوں اور دنیا کے دھوکے باز سیاسی رہنماؤں کے عمل کو مدنظر رکھتے ہوئے یہ بات کہی جا سکتی ہے کہ لفظ سیاست کے معنوں میں اتنی تحریف کی گئی ہے کہ آج دنیا میں جو کچھ ہو رہا ہے وہ اس لفظ کے لغوی وحقیقی معنوں سے تضاد رکھتا ہے۔ سیاست کی تو یہ تعریف کی گئی ہے کہ:

ساس القوم دبّرهم وتولیٰ امرهم ،استصلاح الخلق

بارشادهم الی الطریق ، تدبیر المعاش مع العموم علی

سنن العدل الاستقامة. (۱۱)

ترجمہ: کسی معاشرے کی سیاست کرنا ان کے امور کی تدبیر اور ان کے تقاضوں کا جواب دینے کے ساتھ ساتھ عدل وانصاف اور رہنمائی کے معاملات کو آزادی سے بجالانا۔ معاشرے کی معیشت عدل وانصاف اور آزادی کے اصولوں پر قائم کرنا۔

لغت اور اسلامی کتابوں کے ماخذ اور متون میں مندرج لفظ سیاست کے معنوں پر غور کرنے سے یہ مستفاد

ہوتا ہے کہ سیاست کے حقیقی معنی انسانی معاشرے، ملک اور عوام کی سرپرستی وقیادت کے ان ابعاد پر مشتمل ہے جن کے ذریعہ ان کی فلاح و بہبود اور ترقی کی ضمانت ملتی ہے۔

مروجہ ملکی نظام

پاکستان میں جو سیاسی نظام اس وقت مروج ہے، اس کے بنیادی قوانین اسلام کے بنیادی اصولوں سے ہم آہنگ اور یکساں ہیں جس طرح کے ۱۹۷۳ کے آئین میں تفصیلاً بیان کیا گیا ہے، ہاں یہ الگ بات ہے کہ اس پر کما حقہٗ عمل درآمد نہیں کیا جاتا۔ مثلاً مغربی تصور جمہوریت کے نظریہ اقتدار اعلیٰ (۱۲) کے برخلاف پاکستان کے آئین میں اقتدار اعلیٰ سمیت نفوذ قوانین اور مجلس شوریٰ وغیرہ کی وضاحت یوں کر دی گئی ہے کہ:

> ''تمام کائنات کی حاکمیت صرف اللہ تعالیٰ کو حاصل ہے اور لوگوں کے پاس جو اختیار ہے وہ ایک مقدس امانت ہے۔ آئین میں یہ بھی واضح کیا گیا ہے کہ پاکستان میں کوئی قانون ایسا نافذ نہیں کیا جائے گا جو قرآن کریم اور سنت رسول ﷺ کے منافی ہو۔ اس طرح پاکستان کے حکمرانوں کو اس بات کی تلقین کی گئی ہے کہ وہ شریعت اسلامی کے خلاف ملک میں کوئی قانون نافذ نہ کریں''۔ مزید یہ بھی بتایا گیا ہے کہ: ''کسی فرد یا پوری ملت کو یہ حق حاصل نہیں کہ وہ مقتدر اعلیٰ ہونے کا دعویٰ کرے، حاکم محدود اختیارات کا مالک ہے اور شریعت کے حدود کے اندر رہ کر ہی کوئی حکم جاری کر سکتا ہے، وضع قانون کا اختیار صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کو حاصل ہے'' جیسے کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ:
>
> يَقُوْلُوْنَ هَلْ لَّنَا مِنَ الْاَمْرِ مِنْ شَيْءٍ قُلْ اِنَّ الْاَمْرَ كُلَّهٗ لِلّٰهِ (۱۳)
>
> ترجمہ: وہ پوچھتے ہیں کہ اختیارات میں ہمارا بھی کچھ حصہ ہے! کہہ دو کہ اختیارات تو سارے اللہ کے ہاتھ میں ہیں۔

ریاست خداداد پاکستان ضروریات زمانہ کے مطابق صرف فروعی قوانین بنا سکتی ہے لیکن ان کا بنیادی احکام سے مطابقت کرنا ضروری ہے۔ مسلمانوں کو صرف محدود عمومی حاکمیت عطاء کی گئی ہے، وہ امور جن کے متعلق اللہ تعالیٰ کی شریعت میں کوئی واضح حکم موجود نہیں، اجتہاد کے ذریعے طے کئے جائیں گے، یعنی پاکستان میں مجلس

شوریٰ/پارلیمنٹ ان امور کے بارے میں جن میں اللہ اور اس کے رسول ﷺ نے واضح احکامات دیئے ہیں یا حدود اور اصول مقرر کئے ہیں، صرف تعبیر اور تشریح کرسکتی ہے مگر ان میں ردوبدل نہیں کرسکتی۔ یہ احکامات اللہ تعالیٰ نے بذریعہ وحی رسول اکرم ﷺ کو ارسال کئے ہیں، اب ان کا سلسلہ ختم ہو چکا ہے۔ لیکن ان امور کے بارے میں جن میں کوئی قطعی احکام موجود نہیں مجلس شوریٰ/پارلیمنٹ قانون سازی کرسکتی ہے۔ ہر زمانے میں انسانی مسائل اور صورتیں یکساں نہیں رہتیں بلکہ بدلتی رہتی ہیں، اس لئے فقہاء اور اصحاب اجتہاد کا یہ فرض ہے کہ وہ زمانے کے حالات اور ضروریات کے مطابق کتاب اللہ کے احکام کی روشنی میں قوانین وضع کریں، اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کے حکم میں ترمیم کرنے کا کسی کو اختیار نہیں۔ اسی بات کی اجازت فقہاء کے واضح اقوال سے بھی ملتی ہے جیسا کہ علامہ شامیؒ فرماتے ہیں کہ:

فکثیر من الاحکام تختلف باختلاف الزمان لتغیر عرف اھلہ اولحدوث ضرورۃ اوفساد اھل الزمان بحیث لوبقی الحکم علی ماکان علیہ اولا للزم منہ المشقۃ والضرر بالناس ولخالف قواعد الشریعۃالمبنیۃ علی التخفیف والتیسیر ودفع الضرر والفساد لبقاء العالم علی اتم نظام واحسن احکام ولھٰذا تریٰ مشائخ المذھب خالفوا مانص علیہ المجتھد فی مواضع کثیرۃ بناھا علی ماکان فی زمنہ لعلمھم بانہ لوکان فی زمنھم لقال بما قالوا بہ اخذا من قواعد مذھبہ. (۱۴)

ترجمہ: بہت سے احکام ہیں جو زمانہ کی تبدیلی کے ساتھ بدل جاتے ہیں اس لئے کہ اہل زمانہ کا عرف بدل جاتا ہے، نئی ضرورتیں پیدا ہوجاتی ہیں اہل زمانہ میں فساد (اخلاق) پیدا ہوجاتا ہے اب اگر حکم شرعی پہلے ہی کی طرح باقی رکھا جائے تو یہ مشقت اور لوگوں کے لئے ضرر کا باعث ہوجائے گا، اور ان شرعی اصول وقواعد کے خلاف ہوجائے گا جو سہولت اور آسانی اور نظام کائنات کو بہتر اور عمدہ طریقہ پر رکھنے کے لئے ضرر وفساد کے ازالہ پر مبنی ہے۔ تاکہ دنیا صحیح نظام اور بہتر طریقہ پر قائم رہے۔ اسی لئے تم دیکھتے ہو کہ مشائخ نے بہت سے مواقع پر مجتہد کی رائے سے اختلاف کیا ہے جو انہوں نے اپنے زمانہ میں اختیار کی تھی۔ کیونکہ وہ جانتے تھے کہ اگر امام مجتہد اس زمانہ میں ہوتے تو وہی کہتے جو یہ مشائخ قواعد مذہب سے استفادہ کرتے ہوئے کہہ رہے ہیں۔

یہی بات مالکی مکتبہ فکر کے ممتاز صاحب نظر فقیہ علامہ قرافی نے اسطرح کہی ہے کہ:

ان اجراء الاحکام اللتی مدرکها العوائد مع تغیر تلک العوائد خلاف الاجماع وجهالة فی الدین وکلّ ما هو فی الشریعة یتبع العوائد یتغیر الحکم فیه عند تغیر العادة الیٰ ما تقتضیه العادة المتجددة ولیس تجدیدا للاجتهاد من المقلدین حتیٰ تشترط فیه اهلیة الاجتهاد بل هٰذه قاعدة اجتهد فیها العلماء فاجمعوا علیها نتبعهم فیها من غیر استئناف اجتهاد. (۱۵)

ترجمہ: جن احکام کی اساس عرف وعادت پر ہو ان میں عرف کے تغیر کے باوجود انہی احکام کو باقی رکھنا اجماع کے خلاف ہے اور دین میں جہالت ہے، شریعت کے وہ تمام احکام جو عرف وعادت پر مبنی ہوں، عرف کے تغیر کے بعد نئے تقاضوں کے مطابق تبدیل ہو جائیں گے، یہ مقلدین کی طرف سے نیا اجتہاد نہیں کہ اس میں اجتہاد کی اہلیت مطلوب ہو بلکہ یہ ایک ایسا قاعدہ ہے جو اہل علم کے اجتہاد کا نتیجہ ہے اور اس پر ان کا اجماع واتفاق ہے، ہم کسی نئے اجتہاد کے بغیر اس میں ان کی پیروی کر رہے ہیں۔

بہر حال یہ تو ایک ضمنی بات درمیان میں آئی، پاکستان میں جہاں تک قانونی اقتدار اعلیٰ کا تعلق ہے وہ مجلس شوریٰ/پارلیمنٹ کے پاس ہے، وہ صدر کے ساتھ مل کر ملک کے لئے قوانین وضع کرتی ہے اور اس بات کو پیش نظر رکھتی ہے کہ اسلامی شریعت کے خلاف کوئی قانون وضع نہ کیا جائے۔ اسی مجلس شوریٰ/پارلیمنٹ کو عوام منتخب کرتے ہے، اس طرح سیاسی اقتدار اعلیٰ عوام کے پاس ہے یہ سب اس بات کے پابند ہیں کہ ملک میں اسلامی اصولوں کے خلاف کوئی قانون وضع نہ ہو۔(۱۶)

حقیقی سیاسی نظام کا حامل مملکت

اکیسویں صدی کے تناظر میں جدید سیاسی نظام کے حامل مملکت جو کہ اسلامی قوانین کے مطابق ہو، کا قیام ناگزیر ہے۔ محمد عربی ﷺ نے ایک قلیل مدت میں اسلامی نظریات کے عین مطابق ایک جدید فلاحی انقلابی ریاست قائم کی اور پورے عرب کو اس کے زیر سایہ لانے میں کامیاب ہو گئے کیونکہ افراد کی سیرت کی تشکیل معاشرے اور ریاست سے باہر ممکن نہیں۔(۱۷) داخلی سیاسی نظام کے کامیابی کے لئے سیرۃ النبی ﷺ کے مطابق تین چیزیں بنیادی اہمیت کے حامل ہیں۔

۱: سیاسی نظام کی تشکیل نو

۲: امن وامان کا قیام

۳: ریاستی اداروں کی اصلاح

سیاسی نظام کی تشکیل نو

اس وقت تقریباً تمام مسلم ریاستوں میں ملوکیت، جاگیرداری، سرمایہ داری یا مغربی جمہوریت کے ذریعے حکومتیں بنتی اور بدلتی ہیں جبکہ اسلام کے سیاسی نظام میں ان عوامل کا سرے سے کوئی دخل ہی نہیں۔ بلکہ اسلام کا تو پیغام ہی طبقاتی امتیاز کا خاتمہ تھا۔ ہمارے ایک روشن خیال مفکر نے لکھا تھا کہ:

''کوئی جمہوریت جو اسلامی ہونے کا دعویدار ہو، وہ نہ برطانوی نمونے کی ہوگی اور نہ روسی۔ ان میں پہلی تو دو یا زائد جماعتوں کے تصادم پر مبنی ہے اور دوسری صرف ایک جماعت کے اقتدار کی اجارہ داری ہے جو کسی اختلاف کو برداشت نہیں کرسکتی۔ اگر کوئی اسلامی حکومت اسلامی اصول پر اسمبلی یا کسی پارلیمنٹ کو تشکیل دے تو اس کے مذہبی پیشواؤں کی انجمن بن جانے کا خطرہ نہیں۔ اسلامی معاشرہ ایک غیر طبقاتی معاشرہ ہے کیونکہ یہاں کوئی مذہبی انجمن اور طبقات خاص رعایت اور مفادات کے ساتھ نہیں ہیں لیکن اصحاب علم اور اہل دانش میں ارکان مجلس کے انتخاب کا کوئی طریقہ ہونا چاہئے۔ سیاسیات میں مال و دولت کو کوئی دخل نہیں ہونا چاہئے ورنہ برائے نام جمہوریت اور عملی طور پر اہل ثروت کی ریاست ہوگی''۔(۱۸)

حضرت ابوبکر صدیقؓ نے اپنے اولین خطبہ خلافت میں فرمایا تھا کہ:

أيها الناس ان اكيس الكيس التقى وان احمق الحمق الفجور ، وان اقواكم عندى الضعيف حتى آخذ له بحقه، وان اضعفكم عندى القوى حتى آخذ الحق منه، انما أنا متبع ولست بمبتدع فان احسنت فاعينونى وان زغت فقومونى وحاسبوا انفسكم قبل ان تحاسبوا (۱۹).

ترجمہ: لوگو سب سے بڑی سمجھ داری تقوی ہے اور بڑی نادانی گناہ کا کام ہے۔ تم میں جو ضعیف ہے وہ میرے نزدیک قوی ہے یہاں تک کہ اس کا حق دلوادوں، اور قوی ضعیف ہے یہاں تک کہ اس سے غریب کا حق

لے لوں ۔ میں متابعت کرنے والا ہوں مبتدع نہیں ۔ اگر میں اچھائی کروں تو میری مدد کرو، اگر غلط کروں تو مجھے درست کرو۔ اور تم لوگ اپنا محاسبہ کرو اس سے قبل کہ تمہارا محاسبہ کیا جائے۔

اب ہمیں یہ دیکھنا ہے کہ کیا ہمارا ملکی سیاسی ڈھانچہ ایسے خطوط پر استوار ہے جو ہمیں ایسے حکمران دے سکے جو حضرت صدیق اکبرؓ جیسا نصب العین اور روشن فکر کا حامل ہو؟ یقیناً مشکل بلکہ ناممکن ہے۔ لہذا ضرورت اس امر کی ہے کہ مملکت خداداد پاکستان کے حکمران بلاتفریق عوام کی خدمت کو اپنا شعار بنائیں، امراء کو نوازنے اور غرباء کو مزید غربت کی چکی میں پیسنے کا جو رواج ہمارے ہاں عام ہے اسے سرے سے ختم کرنا ہوگا۔ ہمارے ملک میں تضاد خیالی اور تنگ نظری کا یہ عالم ہے کہ اکثر اوقات ایک دوسرے کو رجعت پسند، قدامت پسند، اسلام دشمن، مغرب زدہ، آزاد خیال اور بعض اوقات مرتد جیسے سخت القابات سے نوازا جاتا ہے۔ ان حالات میں کیا ہمارا حکمران طبقہ ملک کو صحیح اسلامی سیاسی نظام کی کسی ایک نہج پر قائم کرسکیں گے۔ لہذا اس کا واحد حل یہی ہے کہ صرف زبانی کلامی دعوؤں کی بجائے حقیقی رواداری، وسعت نظر، حکمت، حلم و بردباری، قوت برداشت اور روشن خیالی کا عملی مظاہرہ کیا جائے جو سیرۃ النبی ﷺ کا امتیازی شان بھی ہے۔

اس سلسلے میں ایک اہم بات یہ ہے کہ فکری یکجہتی وقت کی اہم ترین ضرورت ہے، جدید مسائل کی نوعیت اور وسعت کے پیش نظر ایک فرد کے بس کی بات نہیں، لہذا اجتماعی اجتہاد کے لئے ادارے تشکیل دئے جائیں جن میں تمام مکاتب فکر کے علماء، اسکالرز اور اہل دانش شامل ہوں۔ یہ ادارے مجالس قانون ساز کا باقاعدہ حصہ ہوں جہاں دوسرے ماہرین کے ساتھ انہیں بھی قانون سازی میں برابری کا حق ہو۔ بقول علامہ محمد اقبالؒ:

''علماء کو مجالس قانون ساز کا لازمی حصہ ہونا چاہئے تاکہ وہ قانون
سازی کے عمل میں رہنمائی اور مدد مہیا کرسکیں''۔ (۲۰)

لہذا ضرورت اس امر کی ہے کہ ارباب اقتدار، سیاسی زعماء اور ارباب حل وعقد ملک میں ایک ایسا سیاسی نظام تشکیل دے جو اسلامی اصولوں اور عوامی امنگوں کے مطابق ہو نہ کہ ذاتی پسند ناپسند کے۔ اسلام کے نام پر حاصل کئے گئے مملکت کا تقاضا بھی یہی ہے کہ اسے اسلامی اصولوں کے مطابق چلایا جائے، جو بھی ملک یا ادارہ اسلامی اصولوں کے مطابق ہوگا یقیناً اس کے عوام وافراد خوشحال ومطمئن بھی ہونگے، کیونکہ اسلام میں ہر فرد کے حقوق و خواہشات کا حدالمقدور خیال رکھا جاتا ہے، لہذا کامیاب ریاست بھی وہی ہوسکتا ہے جس کا سیاسی نظام کامیاب ہو۔ اس کے ساتھ ساتھ ملک میں خود احتسابی کا عمل انتہائی اہم ہے، احتساب کا فرض اگر خلوص اور جرأت کے ساتھ ادا کیا جائے تو ایک غیر جانب دار نقاد اور ایک بے لاگ مؤرخ کی طرح اپنی غلطیوں اور کمزوریوں کی نشاندہی کی جائے گی جو ایک کامیاب سیاسی نظام کی تشکیل کا سبب بنے گی۔

امن وامان کا قیام

ہمارے ملک میں امن وامان کی صورتحال ناگفتنی ہے۔ بدامنی، قتل وغارت گری، ٹارگٹ کلنگ، اغواء برائے تاوان، بم بلاسٹ، دھماکے اور خودکش حملے وغیرہ وہ چیزیں ہیں جس کی وجہ سے نہ صرف ہر شہری ذہنی کوفت میں مبتلا ہے بلکہ ان چیزوں نے ہمارے سیاسی نظام کو تباہ کر کے رکھ دیا ہے۔ داخلی سیاسی نظام کے کامیابی کے لئے امن ومان کا قیام انتہائی اہم ہے۔ حضرت ابراہیمؑ جب مکہ کو آباد کرتے ہیں تو سب سے پہلے اس شہر کو امن کا گہوارہ بنانے کی دعا کرتے ہیں اس کے بعد معیشت کی بات کی جاتی ہے۔ لہذا اس سے ثابت ہوتا ہے کہ کسی بھی مملکت کے لئے امن وامان کا قیام لازمی جزو ہے، ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ:

وَاِذْقَالَ اِبْرٰهِيْمُ رَبِّ اجْعَلْ هٰذَا بَلَدًا اٰمِنًاوَّارْزُقْ اَهْلَهٗ مِنَ الثَّمَرٰتِ(۲۱)

ترجمہ: اور جب ابراہیمؑ نے دعا کی کہ اے میرے رب بنادے اس شہر کو امن والا، اور اس کے رہنے والوں کو رزق دے میوے۔

رسول اللہ ﷺ نے اسلامی ریاست کی بنیاد رکھتے ہی داخلی امن کی طرف توجہ فرمائی، فساد پھیلانے والوں کے خلاف سخت سے سخت کاروائی فرمائی اور آپ ﷺ کا یہ فرمان سچ ہو کر رہا کہ:

لیتمن هذا الأمر حتی یسیر الراکب من صنعاء الیٰ حضر موت ،لایخاف الا اللّٰه. (۲۲)

ترجمہ: ایک وقت ایسا آئے گا جب صنعا یمن سے ایک محمل نشین خاتون تنہا سفر کرے گی اور اس کو خدا کے سوا کسی کا خوف نہ ہوگا۔

امن وامان برقرار رکھنے کے لئے آپ ﷺ نے کشت وخون سے ہر ممکن گریز کیا، آپ ﷺ نے جاہلی معاشرے کے ان افراد سے لوگوں کو نجات دلائی جو ناسور کی حیثیت اختیار کر چکے تھے، وہ نہ خود امن، اسلام، آزادی اور عدل ومساوات کے قائل تھے اور نہ کسی دوسرے کو یہ اعلیٰ قدریں قائم کرنے دیتے تھے، اس لئے جس طرح ایک انسان کا بازو اگر اتنا خراب ہو جائے کہ اندیشہ ہو کہ اگر اسے کاٹا نہ گیا تو اس کا زہر پورے بدن میں سرائیت کر جائے گا اور وہ آدمی مر جائے گا، ایسے آدمی کا بازو کاٹ کر اسے بچالینا سراپا رحمت وشفقت ہے، اسی طرح انسانی معاشرے میں جو افراد ناسور کی حیثیت اختیار کر جائیں اور دوسرے لوگوں کو بھی تباہی کی طرف لے جارہے ہوں، ان سے معاشرے کو نجات دلانا رحمت اور انسان دوستی کا تقاضا ہے، نبی کریم ﷺ نے غزوات کے ذریعے یہی کام کیا۔ (۲۳) لہذا حضور ﷺ کے اسی فلسفے کو مدنظر رکھتے ہوئے ملکی سیاسی نظام کے کامیابی کے لئے داخلی امن وامان کا قیام ایک لازمی

امر ہے۔اس کے لئے سیرت طیبہﷺ سے رہنمائی لازمی امر ہے جس میں دو چیزیں بڑی واضح ہیں:

الف: بے لاگ عدل وانصاف اور عدلیہ کی بالادستی

ب: اداروں کے استحکام اور اصلاح کے لئے احتساب کے عمل کو جامع اور ہمہ گیر شکل دینا

ان نقاط کو مدنظر رکھتے ہوئے اقدامات اٹھانا ایک کامیاب سیاسی نظام کے حامل مملکت میں امن وامان کے قیام کے لئے جزولاینفک ہیں۔ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ:

یٰاَیُّھَاالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا کُوْنُوْا قَوّٰمِیْنَ بِالْقِسْطِ شُھَدَآءَ لِلّٰہِ

وَلَوْعَلٰی اَنْفُسِکُمْ اَوِالْوَالِدَیْنِ وَ الْاَقْرَبِیْن (۲۴)

ترجمہ: اے ایمان والو قائم رہو انصاف پر، گواہی دو اللہ کے لئے اگرچہ نقصان ہو تمہارا، یا ماں باپ کا ، یا قرابت والوں کا۔

ریاستی اداروں کی اصلاح

سیاسی نظام کے ضمن میں تیسرا اہم مسئلہ ریاستی اداروں کا اصلاح واستحکام ہے۔آج اگر ہمیں مملکت خداداد پاکستان میں افراتفری کا عالم محسوس ہو رہا ہے یا بے چینی اور عدم استحکام سے ہم دوچار ہیں تو اس کا بنیادی وجہ اکثر ریاستی اداروں کی عدم اصلاح ہے۔جس میں سفارش، رشوت، کرپشن، ناقابلیت، دھوکہ دہی، چور بازاری، اقرباء پروری کی یلغار، عدم مساوات، انتظامیہ مقنّنہ، عدلیہ وغیرہ کا عدم احترام، اختیارات کا ناجائز استعمال اور انصاف و احتساب کا نہ ہونا وہ عوامل ہیں جن میں ہمارے ملک کا تقریباً ہر فرد مبتلا ہے۔اگر ملک کو داخلی وخارجی خلفشار سے بچانا ہے اور اسے ایک کامیاب اور بطور نمونہ دنیا کے سامنے پیش کرنا ہے تو ارباب اقتدار پر لازم ہے کہ وہ تمام تر ریاستی اداروں کی اصلاح کرے اور اس میں استحکام کے لئے اپنی تمام تر توانائیاں صرف کریں۔حضورﷺ نے ریاست میں قائم کردہ تمام شعبوں کے استحکام پر خصوصی توجہ دی۔اسی ضمن میں سیرت النبیﷺ اور خلافت راشدہ کی رہنمائی مشعل راہ ہے، جس سے درج ذیل ہدایات اخذ کئے جاتے ہیں:

الف: سرکاری ملازمین کا تقرر اہلیت اور استحقاق کی بنیاد پر کیا جائے۔

اگر کسی کام کو سفارش، رشوت یا اقرباء پروری کے تحت نااہل کے حوالے کیا گیا تو سمجھ لیں کہ بربادی آن پہنچا ہے۔جبکہ درحقیقت ہمارے ملک میں یہی چیزیں سرعام اور بلاخوف وخطر جاری ہیں جن پر کوئی روک ٹوک نہیں۔اس سلسلے میں حضورﷺ کا ارشاد ہے کہ:

اذا وسد الامر الی غیر اھلہ فانتظر الساعۃ(۲۵)

ترجمہ: جب کوئی کام نااہل کے سپرد کردیا جائے تو قیامت کا انتظار کیا جائے۔

ب: سفارش اور اقرباء پروری کے عناصر کا قلع قمع کیا جائے۔

سفارش واقرباء پروری وہ ناسور ہے جو اداروں کو کوکھلا کر دیتا ہے، جبکہ ہمارے ملک میں سب سے زیادہ جو کلچر عام ہے وہ یہی سفارش اور اقرباء پروری ہے۔ اس کلچر کے ہوتے ہوئے ہم کبھی بھی اپنے ملک کو ایک کامیاب سیاسی نظام کے دائرے میں داخل نہیں کر سکتے۔ حضورﷺ نے اس کلچر کا سخت مذمت کرتے ہوئے ایک مقام پر اس سلسلے میں ارشاد فرمایا ہے کہ:

اتشفع فی حد من حدود الله ثم قام فاختطب فقال یاایهاالناس انما هلک الذین قبلکم انهم کانوا اذا سرق منهم الشریف ترکوه واذا سرق فیهم الضعیف اقاموا علیه الحدود ، والله لو ان فاطمة بنت محمد سرقت لقطعت یدها. (۲۶)

ترجمہ: کیا تم اللہ کی حدود میں سفارش کر رہے ہو؟ پھر کھڑے ہو کر خطبہ ارشاد فرمایا، کہ اے لوگو بے شک تم سے پہلے لوگ اس لئے ہلاک ہوئے کہ جب ان میں سے کوئی معزز چوری کرتا تو اسے چھوڑ دیتے اور جب کوئی نادار چوری کرتا تو اس پر حد قائم کرتے۔ خدا کی قسم اگر میری بیٹی فاطمہ بھی چوری کرتی تو میں ضرور اس کے ہاتھ کاٹتا۔

ج: تمام حکام اور ذمہ دار افسران وملازمین کے طرز عمل اور کردار کی کڑی نگرانی کی جائے، اور ان کے اثاثوں کا جائزہ لیتے رہنا چاہئے۔ جبکہ ہمارے ملک میں المیہ یہ ہے کہ صدر سے لیکر چپڑاسی و چوکیدار تک بے لگام ہیں، جس کا جو جی چاہے کر لیتا ہے، کوئی روک ٹوک نہیں۔ محتسب اور نیب جیسے ادارے برائے نام چیز بن گئے ہیں۔ معمولی تنخواہ دار عالی شان کوٹیوں کا مالک بنا بیٹھا ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ ہر ایک محاسبہ کے خوف سے آزاد ہے۔ جبکہ فرائض واحتساب میں آپﷺ کا سب سے بڑا فرض عمال کا محاسبہ تھا، یعنی جب عمال زکواۃ اور صدقہ وصول کر کے آتے تھے تو آپﷺ اس غرض سے اس کا جائزہ لیتے تھے کہ انہوں نے کوئی ناجائز طریقہ تو اختیار نہیں کیا ہے۔ چنانچہ ایک بار آپﷺ نے ابن اللتبیہ کو صدقہ وصول کرنے کے لئے مامور فرمایا، وہ اپنی خدمت انجام دے کر واپس آئے اور آپﷺ نے ان کا جائزہ لیا تو انہوں نے کہا یہ مال مسلمانوں کا ہے اور یہ مجھ کو ہدیۃً ملا ہے، آپﷺ نے فرمایا کہ گھر بیٹھے بیٹھے تم کو یہ ہدیہ کیوں نہیں ملا؟ اس کے بعد آپﷺ نے ایک عام خطبہ دیا، جس میں اس کی سخت ممانعت فرمائی۔ (۲۷)

د: ہمارے ہاں احتساب کا فقدان ہے اور قانون کی بالادستی کا اطلاق نہیں اگر واقعی ملک کو ایک

ماڈل اسلامی سیاسی نظام کے روپ میں پیش کرنا ہے تو عدالتی نظام کو ہر قسم کے دباؤ سے آزاد کرنا انتہائی ضروری ہے۔ انصاف واحتساب کے معاملے میں حاکم ومحکوم امیر وغریب اور افسر وماتحت سب کے ساتھ ایک جیسا اور مساوی سلوک کیا جائے۔ کیونکہ قومیں اپنے اور اپنے قائدین کے احتساب سے زندہ اور باقی رہتی ہیں، بعض جمہوری مزاج قوموں نے تو جنگ جیتنے والوں اور اپنے ملک کی عزت بچا لینے والوں تک کا احتساب کیا ہے اور ان کو اپنا کام ختم کر لینے کے بعد ریٹائر کر دیا ہے، قومیں بڑی بڑی شکست کھانے کے بعد سنبھل گئی ہیں۔(۲۸) امید ہے کہ احتساب کا فرض اگر خلوص اور جرأت کے ساتھ ادا کیا جائے تو ایک غیر جانب دار نقاد اور ایک بے لاگ مؤرخ کی طرح اپنی غلطیوں اور کمزوریوں کی نشاندہی کی جائے گی جو ایک کامیاب سیاسی نظام کی تشکیل کا سبب بنے گی۔

اگر چہ تمدن اسلام کے دور ترقی میں محکمہ احتساب ایک مستقل محکمہ تھا جو نہایت وسیع پیمانے پر تمام قوم کے اخلاقی مصطلحات، بیع وشراء اور معاملات وغیرہ کی نگرانی کرتا تھا، لیکن حضورﷺ کی عہد مبارکہ میں یہ محکمہ قائم نہیں تھا بلکہ خود آپﷺ اس فرض کو ادا فرماتے تھے، ہر شخص کی جزئیات اخلاق اور فرائض منصبی کے متعلق آپﷺ وقتاً فوقتاً دارو گیر فرماتے رہتے تھے۔ تمام لوگوں سے اصلاحات پر عمل کرانا صیغہ احتساب سے تعلق رکھتا تھا، چنانچہ آپﷺ نہایت سختی کے ساتھ ان معاملات کی نگرانی فرماتے تھے اور تمام لوگوں سے عمل کراتے تھے اور جو لوگ باز نہیں آتے تھے ان کو سزائیں دلاتے تھے۔(۲۹) اس سلسلے میں حضورﷺ کا ارشاد نقل کیا گیا ہے کہ:

لقد رأيت الناس في عهد النبي يبتاعون جزافاً يعني الطعام يضربون ان يبيعون في مكانهم حتى يؤووه الى رحالهم.(۳۰)

ترجمہ: آنحضرتﷺ کے عہد میں دیکھا کہ جو لوگ تخمیناً غلہ خریدتے تھے ان کو اس بات پر سزا دی جاتی تھی کہ اپنے گھروں میں منتقل کرنے سے پہلے اس کو خود اسی جگہ بیچ ڈالتے جہاں اس کو خریدا تھا۔

اسی طرح بے لاگ عدل وانصاف کے قیام کے متعلق ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْا قَوّٰمِيْنَ بِالْقِسْطِ شُهَدَآءَ لِلّٰهِ وَلَوْ عَلٰٓى اَنْفُسِكُمْ اَوِ الْوَالِدَيْنِ وَ الْاَقْرَبِيْنَ(۳۱)

ترجمہ: اے ایمان والو قائم رہو انصاف پر، گواہی دو اللہ کے لئے اگر چہ نقصان ہو تمہارا، یا ماں باپ کا، یا قرابت والوں کا۔

خلاصہ بحث

مملکت خداداد پاکستان کا موجودہ سیاسی نظام اگر چہ جمہوری روش کا حصہ ہے، لیکن اس سیاسی نظام کو اغیار

کے مفادات ومقاصد کے بھینٹ چڑھانے اور دینی و مذہبی دائرے سے باہر نکالنے کا کسی بھی صورت اجازت نہیں دی جاسکتی۔ پاکستان چونکہ اسلام کے نام پر بنا ہے لہذا اس مملکت خداداد کے نظام کو بھی داعی اسلام ﷺ کے طرز سیاست کے موافق استوار کرنا ہے۔ پاکستان میں جو جمہوری سیاسی نظام اس وقت مروج ہے، اس کے بنیادی قوانین اسلام کے بنیادی اصولوں سے بہت حد ہم آہنگ اور یکساں ہیں یہ الگ بات ہے کہ اس پر کما حقہ عمل درآمد نہیں کیا جاتا، لہذا ضرورت اس امر کی ہے کہ اس اساسی و بنیادی اسلامی قوانین پر عمل درآمد یقینی بنایا جائے۔ اسلام کے نام پر حاصل کئے گئے مملکت کا تقاضا بھی یہی ہے کہ اسے اسلامی اصولوں کے مطابق چلایا جائے، جو بھی ملک یا ادارہ اسلامی اصولوں کے مطابق ہوگا یقیناً اس کے عوام وافراد خوشحال و مطمئن بھی ہونگے، کیونکہ اسلام میں ہر فرد کے حقوق وخواہشات کا حدالمقدور خیال رکھا جاتا ہے، لہذا کامیاب ریاست بھی وہی ہوسکتا ہے جس کا سیاسی نظام کامیاب ہو۔ اس ضمن میں لازمی ہے کہ ملک میں خود احتسابی کا عمل انتہائی مؤثر ہو، تمام حکام اور ذمہ دار افسران وملازمین کے طرز عمل اور کردار کی کڑی نگرانی کرنا اور ان کے اثاثوں کا جائزہ لیتے رہنا ملکی نظام کو چلانے کا انتہائی اہم حصہ ہے۔ ہمارے ملک میں ہر ایک کے بے لگامی کا جو عنصر ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ ہر ایک محاسبہ کے خوف سے آزاد ہے۔ احتساب کا عمل پوری دیانت داری اور خلوص و جرأت کے ساتھ ادا کیا جائے تو یہ ایک کامیاب سیاسی نظام کی تشکیل کا سبب بنے گی۔ امن وامان کے قیام پر خصوصی توجہ دینے کی ضرورت ہے کیونکہ داخلی سیاسی نظام کے کامیابی کے لئے امن ومان کا قیام انتہائی اہم ہے۔ اس وقت ملک میں امن وامان کی صورتحال انتہائی ناگفتہ بہ ہے۔ بدامنی، قتل وغارت گری، ٹارگٹ کلنگ، اغواء برائے تاوان، بم بلاسٹ، دھماکے اور خودکش حملے وغیرہ وہ چیزیں ہیں جس کی وجہ سے نہ صرف ہر شہری ذہنی کوفت میں مبتلا ہے بلکہ ان چیزوں نے ہمارے سیاسی نظام کو تباہ کر کے رکھ دیا ہے۔ پاکستان میں اس وقت بے لاگ عدل وانصاف اور عدلیہ کی بالادستی سمیت اداروں کے استحکام اور اصلاح کے لئے احتساب کے عمل کو جامع اور ہمہ گیر شکل دینے کی انتہائی اہم ضرورت ہے۔ پاکستان میں اس وقت جو افراتفری کا عالم محسوس ہورہا ہے یا بے چینی اور عدم استحکام سے اگر ملک دوچار ہے تو اس کا بنیادی وجہ اکثر ریاستی اداروں کی عدم اصلاح ہے۔ سفارش، رشوت، کرپشن، ناقابلیت، دھوکہ دہی، چور بازاری، اقرباء پروری کی یلغار، عدم مساوات، انتظامیہ مقنّنہ، عدلیہ وغیرہ کا عدم احترام، اختیارات کا ناجائز استعمال، انصاف و احتساب کا فقدان، لسانی اور گروہی اختلافات، قوم پرستی، مادہ پرستی، نام نہاد ترقی پسندی وغیرہ وہ عوامل ہیں جن کی وجہ سے ہمارے ملک کا حقیقی سیاسی سفر متزلزل اور غیر یقینی صورتحال سے دوچار ہے۔ سفارش اور اقرباء پروری کلچر کا خاتمہ لازمی ہے، ملازمین کا تقرر اہلیت واستحقاق کی بنیاد پر کیا جائے کیونکہ سفارش واقرباء پروری وہ ناسور ہیں جو اداروں کو کوکھلا کر دیتا ہے، جبکہ ہمارے ملک میں سب سے زیادہ جو کلچر عام ہے وہ یہی سفارش اور اقرباء پروری ہے۔ اس کلچر کے ہوتے ہوئے ہم کبھی بھی اپنے

ملک کو ایک کامیاب سیاسی نظام کے دائرے میں داخل نہیں کر سکتے۔

خلاصہ یہ کہ اگر ہم مروجہ جمہوری سیاسی نظام کا جائزہ لیں تو ہم پیغمبر اسلام ﷺ کے دیئے ہوئے تعلیمات سے کوسوں دور نظر آتے ہیں۔ ہمارے ملکی سیاسی نظام میں ہر وہ ناجائز صورت موجود ہے جو کہ اسلامی معاشرے کے لئے زہر قاتل کی حیثیت رکھتا ہو لہذا ان تمام ناجائز امور کا خاتمہ اور ایک حقیقی اسلامی سیاسی نظام کا وجود پیغمبر اسلام ﷺ کے طرز سیاست میں مضمر ہے کیونکہ حضور ﷺ کا طریق تربیت یہی تھا کہ لوگ ایمانی قوت سے مالا مال ہوں اور باہمی ہمدردی، احسان وایثار، شجاعت وحمیت، صبر واستقامت، عفوودرگزر، حلم وبردباری، سخاوت وفیاضی، حسن اخلاق، صدق وتوکل، رواداری اور حسن ظن جیسے اخلاقی اوصاف سے متصف ہوں۔ آپ ﷺ نے اس امر کی طرف خصوصی توجہ دی کہ افراد ذہنی اور اخلاقی طور پر اتنے پاکباز ہوں کہ ریاست اور قانون کی کم سے کم مداخلت کے باوجود بھی وہ صحیح راستے پر چلیں۔

هٰذا ما عندی واللّٰه اعلم بالصواب

حوالہ جات

۱: ڈاکٹر محمد سرور، معارف سیاسیات، علمی کتاب خانہ، لاہور، ۲۰۱۰ء، ص ۱۹۴

۲: ایضاً

۳: ایضاً

۴: مفتی محمد تقی عثمانی، اسلام اور سیاسی نظریات، مکتبہ معارف القرآن، کراچی، ۲۰۱۰ء، ص ۸۰

۵: ابو معاذ القرنی، حقیقت جمہوریت، الموحدین اسلامی لائبریری، ص ۲۰

۶: ال عمران ۳:۸۵

۷: ابو معاذ القرنی، حقیقت جمہوریت، الموحدین اسلامی لائبریری، ص ۵

۸: ابوداؤد سلیمان بن اشعث السجستانی، سنن ابوداؤد، دارالرسالۃ العلمیہ، بیروت، ۲۰۰۹ء، باب فی دوام الجہاد، ج ۴، ص ۱۴۱

۹: سید ابوالاعلیٰ مودودی، فلسفہ نظام کار اور اصول حکمرانی، اسلامک پبلیکیشنز، لاہور، ص ۵۶۶۔۵۶۷

۱۰: David Easton, The Political System, London, 1953, P 56

۱۱: نشری مضمون، قرآن کا سیاسی نظام، teach Islam، جولائی ۲۰۱۵

۱۲: (مغربی تصور کے نظریہ اقتدار اعلیٰ میں جو خصوصیات بیان کی گئی ہیں وہ یہ ہیں کہ ''مطلق، ہمہ گیر، پائیدار یا لازوال، لامحدود، ناقابل انتقال، اور ناقابل تقسیم''۔ ان صفات کا کسی ایک شخص یا جماعت میں تلاش کرنا بے سود ہے

کیونکہ یہ سب صفات صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کو حاصل ہیں کسی اور کو نہیں)

۱۳: آل عمران ۳:۱۵۴

۱۴: شامی ، ابن عابدین سید محمد امین آفندی، رسائل ابن عابدین، سہیل اکیڈمی ، لاہور، ۱۹۸۰ء، ج ۲، ص ۱۲۵

۱۵: قرافی، شہاب الدین ابوالعباس احمد بن ادریس، الاحکام فی تمیز الفتوی من الاحکام، مکتبۃ العلمی، بیروت، ص ۲۳۱

۱۶: چودھری احمد شفیع، اصول شہریت، سٹینڈرڈ بک، لاہور، ۲۰۰۹ء، ص ۱۳۶

۱۷: الطاف جاوید، جدید اسلامی ریاست اکیسویں صدی کے تناظر میں، مطبوعہ المعارف، لاہور، جنوری۔ مارچ ۱۹۹۵ء

۱۸: خلیفہ عبدالحکیم، اسلام کا نظریہ حیات، ادارہ ثقافت اسلامیہ، ص ۲۹۵

۱۹: المتقی، علاوالدین علی بن حسام الدین الہندی ، کنز العمال فی سنن الاقوال والافعال ، مؤسسہ رسالۃ ، بیروت، ۱۴۰۱ھ، باب الاول فی خلافۃ الخلفاء، ج ۵، ص ۶۳۳

۲۰: ڈاکٹر حمید اللہ، امت مسلمہ کے موجودہ مسائل اور ان کا تدارک، وزارت مذہبی امور، اسلام آباد، ۲۰۰۷ء، ص ۱۸۶

۲۱: البقرہ ۲:۱۲۶

۲۲: البخاری، امام ابی عبداللہ محمد بن اسماعیل (متوفی ۲۵۶ھ)، الجامع المسند المختصر من امور رسول اللہ ﷺ وسننہ وایامہ، دار طوق النجاۃ، ۱۴۲۲ھ، کتاب المناقب، علامات النبوۃ

۲۳: ڈاکٹر محمد عبدالعلی اچکزئی، روضۃ السیرۃ، مکتبہ ولیہ، کوئٹہ، ۲۰۱۲ء، ص ۱۲۳

۲۴: النساء ۴:۱۳۵

۲۵: بحوالہ بالا البخاری، ، باب من رفع صوتہ بالعلم، ج ۱، ص ۲۱

۲۶: ایضاً، باب من انتظر حتی تدفن، ج ۴، ص ۱۷۵

۲۷: سید سلیمان ندوی، سیرت النبی ﷺ، ادارہ اسلامیات، لاہور، حصہ دوئم، ص ۴۱۱

۲۸: مولوی محمد رمضان، خطبات علی میاںؒ، دارالاشاعت کراچی، ج ۸، ص ۶۴

۲۹: بحوالہ بالا، سید سلیمان ندوی، حصہ دوئم، ص ۴۱۱

۳۰: بحوالہ بالا البخاری، ، باب من انتظر حتی تدفن، ج ۳، ص ۶۹

۳۱: النساء ۴:۱۳۵